خدا پرستی اور مادّیت کی جنگ

(مسلسل)

از جناب سید کاظم نقوی ریڈر شعبۂ دینیات شیعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مانیں تو کیسے مانیں؟ انسانی عقل قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، بڑے بڑے عقلا اور فلاسفہ سے چوک ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں خالص عقلی فیصلوں کے صحیح ہونے کے متعلق کیسے اطمینان کیا جا سکتا ہے؟ ایسا خطا کار ذریعہ ہمیں کس طرح کسی قابل اعتماد نتیجہ تک پہونچا سکتا ہے؟ بے شک جن تحقیقات کی بنیاد احساس اور جذبے پر ہو ان سے حاصل شدہ نتائج بھروسے کے لائق ہیں۔ خدا اور دوسرے غیر مادی امور احساس اور تجربے کے دائرے سے باہر ہیں۔ نتیجتاً یہی کہنا پڑتا ہے کہ ان تک پہونچنے کے لئے کوئی راستہ موجود نہیں ہے، کیونکہ جو کسی چیز کی بابت فیصلہ کرنے کا قابل وثوق ذریعہ ہے وہ خدا کے سلسلے میں ناکارہ اور نکما ہے۔ فلسفیانہ غور و خوض اور خالص عقلی فکر و نظر جو اہل مذہب کے پاس وجود خدا ثابت کرنے کا اکیلا وسیلہ ہے اسے اس کی خطا کاریوں نے ناقابل اعتماد بنا دیا ہے۔

اس کا نتیجہ غیر جانبداری ہے نہ کہ انکار مذکورۂ بالا خیال اگر ٹھیک ہو تو اس کا منصفانہ نتیجہ یہ ہے کہ انسان کو نہ خدا پرست

ہونا چاہئے اصنہ مادہ پرست۔ ان لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے جن کا تکیہ کلام ہے "لا ادری" یعنی میں کچھ نہیں جانتا۔ مادیین اس بات سے اپنے نقطۂ نظر کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے۔ یہ بات مادہ پرستوں اور منکرین مذہب کی زبان سے نہیں نکلنا چاہئے اس کو شکاک اور "لاادری" قسم کے اشخاص کو کہنا چاہئے۔

عقل کی خطاری کیونکر سمجھے؟

یقیناً انسانی عقل کا ذاتی تقاضہ خطاری نہیں ہے اس کی فطری اور قدرتی خاصیت غلطی کرنا نہیں ہے ورنہ لوگ اس بات کی مذمت نہ کرتے۔ ملامت اور سرزنش بے محل ہوتی۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے چوک ہوتی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ اس کی غلطیوں کی گرفت کس نے کی ہے؟ چند مقامات کو الگ کر کے عام طور سے اپنی اس کمزوری کا پتہ بھی عقل ہی نے چلایا ہے۔ خود وہی بتاتی ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ بے شک بعض مسائل ضرور ایسے ہیں جن کی بابت عقل نے کوئی فیصلہ کیا تھا اور احساس و تجربہ نے اس کے خلاف ثابت کیا۔ بطلیموسی علم ہیئت کا بے بنیاد ہونا یقیناً احساس اور تجربے کے ذریعہ معلوم ہوا۔ اس طرح کی مثالیں ڈھونڈنے سے اِکا دُکا ملیں گی عموماً خالص عقلی فیصلوں کے خلاف حقیقت ہونے کو اسی خالص عقلی غور و خوض نے بتایا ہے۔

مادہ پرست طبقہ انصاف سے کام لیتے ہوئے بتائے کہ اس نے خود یہ بات جو کہی ہے کہ عقل خطاکار ہے وہ اپنے فنی تجربات کی بنا پر کہی ہے؟ کسی خوردبین یا دوربین سے مدد لے کر کہی ہے؟ ظاہر ہے کہ سائنسدانوں کے نزدیک فیصلہ کرنے کا معیار جس تجربہ کو قرار دیا گیا ہے وہ وہی ہے جس کا سرچشمہ احساس ہے، وہی فزکس، کیمسٹری وغیرہ کی آزمائشوں کے مانند تجربات۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ مادہ پرستوں نے عقل کے خطاکار ہونے کا فیصلہ کسی فنی آزمائش میں خاص طرح کے تجربات کر کے نہیں کیا ہے۔ پھر یہ فیصلہ کیسے ان کے نزدیک معتبر ہو

قابلِ اطمینان ہو گیا۔ ان کے اس فیصلے کی بنیاد صرف دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ انھوں نے دیکھا کہ بطلیموسی ہیئت (ASTRONOMY) کا بے بنیاد ہونا یقیناً احساس اور تجربہ کے ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اسی طرح یونانی طبابت کے بہت سے اصول و نظریات تجربات کی روشنی میں غلط ثابت ہوئے ہیں۔

اگر مادہ پرستوں کے فیصلے کی بنیاد یہی ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اکّا دکّا مقامات پر تجربہ کے ذریعہ خالص عقلی فیصلوں کے غلط ثابت ہو جانے سے یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ عقل بس خطا کار ہی خطا کار ہے؟ یہ کونسی منصف مزاجی ہے کہ اکّا دکّا مقامات کے پلّہ کو کثیر التعداد مقامات کے پلہ کے مقابلہ میں زیادہ بھاری قرار دیا جائے؟ وہ کثیر التعداد مقامات کو درستکار ثابت کرنے کے لئے کافی نہ سمجھے جائیں؟ اکّا دکّا مقامات اس کے خطا کار ہونے کے واسطے کافی قرار دیدیے جائیں؟!

خلاصہ یہ کہ جس طرح قوت احساس کی خطا کاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسان محسوسات سے کنارہ کشی نہیں کرتا ہے بلکہ کئی کئی دفعہ احساس سے کام لے کر اور تجربہ کو دہرا کر اس کی غلطی پکڑی جاتی ہے اسی طرح بعض مقامات پر خالص عقلی فیصلوں کے غلط ہونے کا ہرگز یہ تقاضہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی عقل سے بالکل کام نہ لے، تمام عقلی دلیلوں کی طرف سے بدگمان ہو جائے اور انھیں غیر معتبر قرار دیدے۔

اگر عقل خطا کار ہے تو احساس کب خطا کار نہیں ہے؟

"مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر قوت احساس کی غلطیوں، خطا کاریوں کی چند کھلی موٹی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ نفسیات کی کتابوں میں حواس کی غلطیوں کے متعلق ایک طویل بحث نظر آتی ہے۔ ان میں ایسے بیسیوں مقامات کا ذکر کیا گیا ہے جہاں خود ہماری یہ صحیح و سالم آنکھ غلطی کرتی ہے۔

شعلۂ آگ کا ایک دائرہ محسوس ہوتا ہے۔ تیزی سے چلتے ہوئے بجلی کے پنکھے کے

کبھی محسوس نہیں ہوتے اور کبھی اپنی تیز رفتاری سے انتہائی لطیف طباق بنا دیتے ہیں حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ بیرونی دنیا میں نہ آگ کے دائرے کا وجود ہے اور نہ اس لطیف طباق کا یہ سب ہماری آنکھوں کی کارستانی ہے

آرٹسٹ ایسی سینریاں بناتے ہیں جن میں رنگ برنگ کے بجلی کے بلب استعمال کرکے موجزن سمندر، چلتی ہوئی کشتیاں دکھلاتے ہیں۔ ان تمام مناظر کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ صرف ہماری نگاہوں کی چوک اور قوت خیال کی پیداوار ہیں۔ اگر ہماری آنکھیں ہر چیز کو اسی طرح دیکھ سکتیں جس طرح وہ ہے تو ہرگز اس قسم کی حسین وجمیل اور خوشنما سینریاں آرٹسٹ نہ بنا سکتے۔

سنیما اور اس کے فلموں کی غیر معمولی مقبولیت کا تعلق نگاہوں کی غلط کاری سے فائدہ اٹھانے سے ہے۔ اگر ہماری آنکھوں سے چوک نہ ہوتی تو سنیما کے یہ دلکش فلم کچھ جدا جدا اور پراگندہ تصویروں کی شکل اختیار کر لیتے۔ کوئی شخص ان سے کوئی دلچسپی نہ لیتا۔ اگر لوگوں کی نگاہیں حقیقت نمائی میں کوتاہی نہ کریں تو سنیما کی یہ صنعت ہی دنیا سے نیست ونابود ہو جائے۔

شاید ایسا کوئی شخص نہ ہو جس نے گرمی کے موسم میں سفر نہ کیا ہو، بیابانوں میں سراب کا عجیب وغریب منظر نہ دیکھا ہو۔ دور سے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانی کی حسین وجمیل موجیں ایک دوسرے پر لوٹ رہی ہیں، لیکن جب نزدیک جاکر دیکھا تو سوائے ایک سوکھے، تپتے ہوئے صحرا کے کچھ نظر نہ آیا۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ شکست نور اور آنکھوں کی چوک نے دیکھنے والوں کا مذاق اڑایا ہے۔

ہم سب چاندنی رات میں جب بادل کے ٹکڑے آسمان کے اوپر جا بجا پھیلے ہوئے ہوں تو یہ منظر دیکھتے ہیں کہ چاند بادلوں کے بیچ سے انھیں چیرتا پھاڑتا ہوا ایک چور کی طرح بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً چاند فرار نہیں کر رہا ہے ابر کے ٹکڑے

تیزی سے فرار کر رہے ہیں، لیکن ہم انھیں اپنی جگہ ثابت قدم اور چاند کو متحرک دیکھتے ہیں۔

لوگ برابر ریل گاڑی سے سفر کرتے رہتے ہیں۔ بچے یہ دیکھ کر تھوڑے سے حیران اور پریشان رہتے ہیں کہ انھیں اگرچہ یہ معلوم ہے کہ ان کی ٹرین تیزی سے چلی جا رہی ہے، لیکن بجلی کے کھمبے، درخت، کھیت، مکانات اور دوسری تمام چیزیں بھی اسی رفتار سے مخالف سمت کی طرف دوڑ رہی ہیں۔ چند سیکنڈ کے لئے کبھی ان کی آنکھوں کے سامنے یہ منظر بھی آتا ہے کہ ان کی ٹرین جس پر وہ سوار ہیں کسی اسٹیشن پر پہونچکر یا اس کے پہلے کسی جگہ ٹھہر گئی۔ ان کے کانوں میں آواز آئی کہ مثلاً پنجاب میل آرہا ہے۔ اس کے انتظار میں یہ رک گئی ہے۔ وہ اسے پاس کرے گا۔ کچھ دیر گذرنے کے بعد وہ سر پر آپہونچا۔ بچے ابھی دیکھ رہے تھے کہ ان کی ٹرین رکی ہوئی ہے، لیکن انھیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنے والی گاڑی ٹھہری ہوئی ہے اور ان کی ٹرین تیزی سے چل رہی ہے۔

آپ تین قسم کے پانی تیار کیجئے۔ ایک بہت گرم، لیکن ایسا نہیں کہ اس میں ہاتھ پہونچکر جل جائے۔ دوسرا بہت ٹھنڈا، تیسرا معتدل۔ یہ پانی تیار کرنے کے بعد آپ اپنے ایک ہاتھ کو گرم پانی میں اور دوسرے کو ٹھنڈے پانی میں تھوڑی دیر ڈبوئے رکھئے۔ پھر دونوں ہاتھوں کو ان سے نکال کر آپ کنکنے پانی کے برتن میں ڈبوئیے۔ اس موقع پر آپ ایک ہی پانی میں دو متضاد کیفیتیں محسوس کیجئے گا۔ آپ ایک ہاتھ کہے گا کہ یہ بہت ٹھنڈا ہے۔ دوسرا اس کے خلاف فیصلہ کرے گا کہ نہیں یہ بہت گرم ہے۔ یوں ہی اگر بجائے دو ہاتھوں کے ایک ہی ہاتھ کی دو انگلیاں اس کنکنے، ملائم پانی میں ڈبوئیے تو یہی نتیجہ آپ کے سامنے آئے گا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہمارے سامنے صرف ایک پانی ہے اور اس کا ٹمپریچر بھی ایک ہی ہے۔

ان مثالوں سے ہمیں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ یہ نہ سمجھنا چاہیے

کہ ہمارے حواس کی مدد سے مختلف چیزوں کے جو تصورات ہمارے دماغوں میں پیدا ہورہے ہیں وہ بالکل صحیح اور حقیقت کے مطابق ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ تجربات اور آزمائشوں کی بنیاد محسوسات اور انہی حواس کے کاموں پر ہے۔ جب حواس کے متعلق ثابت ہو گیا کہ وہ کبھی حقیقت کی نشاندہی نہیں کرتے تو تجربہ اور آزمائش کی حیثیت بھی مشکوک ہو جائے گی کہ اس سے جو نتیجہ نکلا ہے وہ حقیقت کے مطابق ہے یا غیر مطابق؟ حواس اور تجربات کے اس نقص نے تمام تجرباتی علوم کو مشکوک بنا دیا ہے۔ اسی لئے ان کے منصف مزاج ماہرین مثلاً الف۔ شیلے (F - CHALUIS) نے فزکس اور کیمسٹری کے غیر یقینی ہونے کا اقرار مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"ریاضی کی طرح فزکس اور کیمسٹری کے علم بھی سو فیصدی قطعی اور یقینی نہیں ہیں، کیونکہ ان کا سرچشمہ محسوسات ہیں اور ہمارے حواس خطا کار ہوا کرتے ہیں۔"

(قصۃ الفلسفۃ الحدیثۃ)

انصاف کا خون نہ کرنا چاہئے

غور فرمائیے کہ کون ڈاکٹر ایسا ہے جس کا علاج کرنے والے بیماروں میں سے سو فیصدی لوگ اچھے ہو جاتے ہوں؟ کون کمپونڈر ایسا ہے جو کبھی انجکشن لگانے میں رتی بھر غلطی نہ کرتا ہو؟ کون باورچی ایسا ہے جس کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے ہمیشہ یکساں طور پر مزیدار اور بے عیب ہوتے ہوں؟ بتائیے ہمیں اس درزی کا نام جو اپنے پاس آنے والے مختلف قد و قامت اور جسمانی ساخت کے لوگوں کے کپڑے ہمیشہ بالکل ان کی مرضی کے مطابق سیتا ہو، خواہ کوئی اس کا سالہا سال کا گاہک ہو اور خواہ کسی نے اس سے پہلی دفعہ کپڑے سلائے ہوں؟ کون خوش قسمت ایسا ہے جس کے تمام ملنے جلنے والے

جن کے خاندان کے تمام لوگ اخلاق و اوصاف اور انسانیت کے نقطۂ معراج پر ہوں۔ ان کی کوئی بات کبھی اس کے مزاج کے خلاف نہ ہو، اسے کبھی ان سے کسی قسم کا دکھ نہ پہونچے؟ کون شخص ایسا ہے جسے ہمیشہ کاریگر، بڑھئی، مزدور اس کے حسب دلخواہ ہوشیار اور محنتی ملے ہوں؟ کون بزرگ ایسے ہیں جن پر رکشہ والوں، ٹیکسی ڈرائیوروں مختلف قسم کے دفتری لوگوں اور دکانداروں نے زیادتی نہ کی ہو؟ کون وکیل ایسا ہے جو کبھی کسی مقدمہ میں ہارا نہ ہو؟

ہر شخص کا سابقہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ایسے ہی لوگوں سے رہتا ہے جو غلطیاں کرتے ہیں، دھوکے کھاتے ہیں، لغزشوں کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انسان ان سے قطع تعلق نہیں کرتا وہ برابر انہی سے کام لیتا ہے۔

انسان کا یہی مستقل رویہ ہے جس کے دائرے میں اس کے احساس کی تمام طاقتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ حواس حقیقت نمائی کا عمل انجام دینے میں غلطی کرتے ہیں لیکن جیسا کہ کہا گیا کہ ایسے مقامات ان جگہوں کی بہ نسبت چونکہ کم ہیں جہاں وہ انسان کی صحیح راہنمائی کرتے ہیں اس لیے کوئی شخص ایسا نہیں کرتا اور نہیں کرسکتا کہ سرے سے احساس کی طاقتوں سے فائدہ اٹھانا ہی چھوڑ دے۔ پھر کیا یہ بے انصافی اور بے مروتی نہیں ہے کہ انسان حواس کی قوتوں اور ان کے علاوہ دوسرے خطاروں سے تعلقات برقرار رکھے، مگر عقل کی بھول چوک کی بنا پر اس کی طرف سے بالکل آنکھیں پھیر لے؟!

واضح اور غیر واضح تمام عقلی فیصلے ایک طرح کے نہیں ہیں بعض باتیں تو ایسی ہیں کہ ان کا فیصلہ کرنے کے لئے انسان کو کچھ سوچ بچار تک کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس قسم کے فیصلوں کی تعداد کم نہیں ہے، مثلاً بغیر کچھ غور و خوض کیے ہماری عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی چیز

ایک ہی جگہ بیک وقت موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو۔ یہ غیر ممکن ہے کہ پر دیز ایک ہی وقت میں ایک جگہ کھڑا بھی ہو اور کھڑا نہ بھی ہو۔ یونہی ایسا بھی محال ہے کہ کوئی چیز ایک ہی وقت میں سفید بھی ہو اور کالی بھی ہو۔ یہ فیصلہ بھی ہر شخص کی عقل بغیر سوچے بچارے کردیتی ہے کہ اگر کوئی چیز بہت سی چیزوں سے مل کر تیار ہوئی ہو تو وہ مجموعی طور پر اپنے ہر ہر جزء سے بڑی ہوگی اور اس کے اجزا میں سے ہر ایک اس سے چھوٹا ہوگا۔

ان کے برخلاف انسانی عقل کے بہت سے ایسے فیصلے بھی ہیں جو اس نے سوچ بچار کرنے کے بعد کئے ہیں۔ اس قسم کے فیصلے دو طرح کے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کے لئے اسے بہت سوچنے کی ضرورت ہے۔ یہ اس کے پیچیدہ، دقیق اور غیر واضح فیصلے ہیں، لیکن اس کے کچھ ایسے فیصلے ہیں کہ ان کے واسطے اسے یقیناً سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے لیکن ان کی خاطر اسے بہت زیادہ غور و خوض کرنے کی حاجت نہیں ہے البتہ تھوڑے سے سوچ بچار کے بعد عقل کسی مثبت یا منفی نتیجہ تک پہونچ جاتی ہے۔ انھیں اس کے واضح اور نمایاں فیصلے کہنا بالکل صحیح ہے۔

البتہ انسانی عقل کے غیر واضح فیصلوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ نمونہ کے طور پر عرض کیا جاتا ہے کہ مشہور و معروف فلسفی علامہ صدر الدین شیرازی سے پہلے متفقہ طور پر مسلمان فلاسفہ کا نظریہ تھا کہ کسی چیز کے صرف اوصاف اور خصوصیات میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ خود اس کی ذات نہیں بدلتی ہے، وہ ہر طرح کے تغیرات سے بالاتر ہوتی ہے۔ خصوصیات اور صفات میں تبدیلی پیدا ہونے کی مختلف صورتیں ہیں۔

کبھی کسی چیز کی ظاہری یا باطنی صفت میں تدریجی طور پر کمال پیدا ہوتا ہے مثلاً آم یا سیب یا کوئی دوسرا پھل اس وقت سے کہ جب وہ کچا ہو اس وقت تک کہ جب وہ اچھی طرح پک جائے نہ جانے کتنے رنگ بدلتا ہے۔ یونہی اس کی جسمیت میں بھی

آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ کوئی چیز جس جگہ سمائی ہوئی ہو وہ کبھی تدریجی طور سے بدلتی رہتی ہے۔ کبھی کہیں اور کبھی کہیں دکھائی دیتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی چیز کی جگہ اور فضا جہاں وہ سمائی ہو نہیں بدلتی وہ جہاں ہو وہیں رہتی ہے، لیکن اس کا وہ تعلق بدلتا رہتا ہے جو اسے اپنے علاوہ بیرونی چیزوں سے ہے۔ زمین کی گردش اپنے گرد چکی کے اوپری پاٹ کی حرکت اپنے درمیان میں لگی ہوئی کھونٹی کے گرد، الیکٹران کا پروٹون کے گرد پروانہ وار طواف اسی قسم کی حرکت ہے۔

علامہ صدر الدین شیرازی پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے قبل کے تمام فلاسفہ کے برخلاف جن میں بوعلی سینا ر کی سی عظیم المرتبت علمی شخصیتیں شامل ہیں یہ کہا کہ کسی چیز کے صفات اور خصوصیات ہی میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے بلکہ خود اس چیز کی ذات متحرک اور گوناگوں تبدیلیوں کی آماجگاہ رہتی ہے۔ ہر شے کی ذات بہتے ہوئے پانی کی سطح پہ بنے ہوئے درخت، آدمی یا کسی دوسری چیز کے عکس کی مانند ہے۔ اسے دیکھکر انسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ عکس اپنی جگہ پر ثابت قدم اور پائیدار ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ برابر اس بہتے ہوئے پانی پر وہ نقش بنتا اور بگڑتا رہتا ہے۔

چاند، سورج، دوسرے آسمانی کرے، تمام اجسام، ان کے بے شمار ایٹم سطحی طور سے نگاہ کرنے والوں کے نزدیک اپنی جگہ پر ثابت اور برقرار ہیں حالانکہ ان میں سے ہر ایک سیال اور ناپائیدار وجود کا مالک ہے۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ علامہ صدر الدین شیرازی کی نظر میں ان کی یہ بات یقینی اور قطعی ہے، لیکن وہ ایسی غیر واضح ہے کہ شیخ بوعلی سینا ر کے سے غیر معمولی ذہانت و فراست کے مالک ممتاز فلسفی کا دماغ اس حقیقت تک نہیں پہونچا اور وہ اس "حرکت جوہریہ" کے مخالفین کی صف میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے برعکس[16] ہونا بھی ممکن

ہے کہ صدر الدین شیرازی کے ذہن نے ٹھوکر کھائی ہو اور وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہوں۔

لیکن عرض یہ کرنا ہے کہ وہی باتیں کہ جن کی تہ تک عقل انسانی سوچ بچار کرنے کے بعد پہونچ سکتی ہے سب کی سب مذکورہ "حرکت جوہریہ" کے مسئلے کی طرح پیچیدہ اور غیر واضح تھوڑی ہیں۔

بے شک وجود خدا اور دوسرے مسائل دینیہ کو ثابت کرنے کے لئے جو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں کہ عقل انسانی بغیر سوچ بچار کئے ہوئے ان کی تصدیق یا تکذیب کر دے لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسی ہیں جو اگرچہ سوچ بچار کرنے کے بعد سمجھ میں آ سکتی ہیں مگر پیچیدہ اور غیر واضح نہیں بلکہ سیدھی سادھی اور غیر پیچیدہ ہیں جنھیں تھوڑے سے منصفانہ سوچ بچار کرنے کے بعد آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ذرا منصف مزاجی سے کام لیتے ہوئے جواب دیجئے کہ کیا وجود خدا ثابت کرنے کے واسطے اہل مذہب کی جانب سے یہ جو مندرجہ ذیل دلیل پیش کی جاتی ہے وہ پیچیدہ اور غیر واضح ہے؟

"ہر وہ چیز جو عدم سے وجود میں آئے، پہلے نہ ہوا اور بعد میں نہ ہو اس کا کوئی نہ کوئی سبب وجود ہوتا ہے۔"

علّت و معلول کا اصول عمومی اور ہمہ گیر ہے۔ غالبًا یہ اصول بدیہیات میں سے ہے۔ ہر عقلمند انسان بلا غور و خوض کے اس کی تصدیق کے لئے تیار ہے۔ کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ جو چیز کسی وقت میں نہ ہو وہ بعد میں خود بخود بغیر کسی سبب کے وجود میں آ جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تین چار سال کے بچے گویا سوال اور پوچھ گچھ کا پتلا ہوتے ہیں۔ وہ کسی آواز کو سن کر فورًا اپنے بزرگوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ کس کی ہے اور

کہاں سے آرہی ہے ؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے دماغ میں یہ بات راسخ اور بیٹھی ہوئی ہے کہ کوئی چیز پہلے نہ ہو وہ بعد میں بغیر کسی علت اور سبب کے موجود نہیں ہو سکتی ہے۔

ہمیں دو طرح کے کام اور دو قسم کی چیزیں اپنی آنکھوں سے نظر آتی ہیں جنھیں دیکھتے ہی بلا سوچ بچار کیے ہم فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ان میں سے کون ارادے، اختیار اور عقل و شعور کا نتیجہ ہے، کون غیر ارادی، غیر اختیاری اور عقل و شعور کی پیداوار نہیں ہے؟ اس فیصلے میں کسی عقلمند آدمی کو دشواری نہیں محسوس ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی چیز کی شکل و صورت، ہیئت اور ساخت سے پتہ چلے کہ اس کے وجود کا کوئی مقصد ہے جس کے مطابق اس میں خاص نظام و ترتیب پایا جاتا ہو تو اسے بلا شبہ کسی ایسے شخص کی کارگزاری مانا جائے گا جو سوچ سمجھکر، ارادے اور اختیار کے ساتھ وجود میں لایا ہو۔ اس کے برخلاف ہر وہ چیز جس کے وجود کا کوئی ایسا مقصد نہ ہو جس کے مطابق اس میں خاص طرح کا نظام و ترتیب دکھائی دے بلکہ اس کے بجائے اس میں بدنظمی نظر آئے تو اس کا کوئی ایسا سبب وجود قرار دیا جائے گا جو عقل و شعور کی صفت سے محروم ہو۔

موجودات عالم کے متعلق فیصلہ کرنے میں بھی انسان نے یہی اصول پیش نظر رکھا ہے۔ اس نے اکثر و بیشتر چیزوں کا کوئی نہ کوئی مقصد وجود پایا جس کے مطابق ان کی شکل و صورت اور ساخت دیکھی اس لئے وہ اس نتیجہ تک پہونچا کہ انھیں کسی صاحب عقل و شعور طاقت نے مکمل ارادے اور اختیار سے پیدا کیا ہے۔"

عقل انسانی کے ایسے واضح فیصلے کو ہرگز اس بہانے سے ٹھکرایا نہیں جا سکتا کہ وہ خطا کار ہے۔ حقیقتوں تک پہونچنے میں ٹھوکریں کھاتی، غلطیاں کرتی ہے۔

پھر انسان نے عقل سے کیوں کام لیا؟

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان نے قوت عقل سے کام لیا اور یقیناً خالص عقلی فیصلے کیے، اگر یہ راستہ گمراہ کن ہے تو ہرگز انسان کی فطرت اس کو اس کے اوپر گامزن نہ کرتی وہ فطری طور پر اس کی طرف توجہ نہ کرتا، اسے بھروسہ کرنے کے لائق نہ سمجھتا۔ کبھی گھوڑے، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ وغیرہ کو گوشت کی طرف رخ کرتے نہیں دیکھا گیا۔ وہ ہمیشہ سبزی، ترکاری اور گھاس پھونس کی جانب منہ بڑھاتے ہیں۔ ان کے برخلاف شیر، چیتے، تیندوے، بھیڑیے کو کبھی مذکورہ چیزوں کے پاس نہیں دیکھا گیا۔ یہ جانور بس خون اور گوشت کے شائق ہیں۔

ظاہر ہے کہ انسان کا فطرت کی تحریک سے مختلف قسم کے مسائل کی بابت سوچنا، ان کی تہ تک پہونچنے کے لئے عقل سے کام لینا بتاتا ہے کہ حقیقتوں کا انکشاف اس راستہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ فطرت انسانی اس کو گمراہ کن اور سرے سے خطا کار نہیں سمجھتی ہے۔ البتہ باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ہوشیار اور چوکنا رہنے کی حاجت ہے۔

عدم وجود کا سرچشمہ کیسے؟

مندرجۂ ذیل اعتراض کو بڑے عالمانہ اور فلسفیانہ طمطراق کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، اس کا خدا پرستی کے خلاف پروپیگنڈے میں خاصا حصہ ہے۔ مادہ پرست طبقہ کا کہنا ہے:

"خدا کے ماننے والوں کے عقیدے کے مطابق عالم "حادث" ہے وہ عدم سے وجود میں آیا ہے۔ ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ عدم کسی چیز کے وجود کا سرچشمہ بنے؟ عدم کوئی چیز نہیں ہے تاکہ وہ سبب وجود قرار پائے۔ اس کے علاوہ اپنی جگہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ کسی چیز کی "نقیض" اس کی علت نہیں ہوسکتی۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وجود اور عدم ایک دوسرے کی "نقیض" ہیں۔ پھر

کیونکر ممکن ہے کہ عدم، وجود کی علت قرار پائے ؟ آسان عام فہم لفظوں میں یوں کہا جائے کہ خدا پرستوں کا عقیدہ ہے کہ عالم "حادث" یعنی وہ نیستی سے ہستی میں آیا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہستی کا سرچشمہ نیستی ہو ؟

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر "حادث" کو زمان اور مکان میں ہونا چاہیے۔ آیا اس عالم سے پہلے کوئی زمان و مکان فرض کیا جا سکتا ہے جو پیدائش عالم کا ظرف بنے ؟

اس بنا پر کہنا پڑے گا کہ عالم "قدیم" اور "ازلی" ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی چیز علت اور سبب کی محتاج نہیں ہو سکتی۔

جواباً عرض ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض کی تشکیل دو حصوں سے ہوئی ہے۔ ایک[1] یہ کہ عدم کس طرح وجود کا سرچشمہ بن سکتا ہے ؟ دوسرے[2] یہ کہ عالم اگر "حادث" ہو تو وہ زمان و مکان کا محتاج ہوگا حالانکہ اس کے وجود سے پہلے زمان اور مکان نہیں تھا۔ ہم ہر حصہ کا علیحدہ جواب دیں گے۔ اس اعتراض کا پہلا جز متعدد رخوں سے قابل بحث ہے۔

(الف)

ہمارے نقطۂ نظر سے اس اعتراض کا جواب بہت آسان ہے، لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ مادہ پرست طبقہ بھی اس اعتراض کی زد سے محفوظ نہیں ہے۔ یہ اعتراض خود ان کے اوپر بھی ہوتا ہے۔ یہ حضرات معتقد ہیں کہ مادۂ عالم "قدیم" اور "ازلی" ہے مگر وہ ہمیشہ تغیرات کی آماجگاہ رہا ہے۔ ایک شکل سے دوسری شکل کی طرف برابر منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس گروہ کا خیال ہے کہ مادۂ عالم ازل سے اب تک نہ کچھ بڑھا ہے اور نہ گھٹا ہے۔ تمام تغیرات کا مرکز اس کی صورت بنی رہی ہے۔ اس بنا پر موجودات عالم کی حالیہ صورت اور اس کی گذشتہ تمام صورتیں "حادث" ہیں، کیونکہ ان میں سے

ہر ایک معدوم تھی، وہ یکے بعد دیگرے وجود میں آئی ہیں، لہٰذا بعینہ یہی اعتراض موجودات کی شکلوں کے سلسلے میں ایک طبقہ پر ہوتا ہے جو ان کے "حادث" ہونے کا قائل ہے۔ لہٰذا یہ ہے کہ شکل بھی اپنی جگہ ایک موجود چیز ہے۔ کہنا پڑے گا کہ وہ عدم سے وجود میں آتی ہے یقیناً جو سوال مادیین مادے کے وجود کی بابت خدا پرستوں پر کرتے ہیں وہی صورتوں اور شکلوں کے سلسلے میں خود ان کے اوپر ہوتا ہے۔

بہتر ہے کہ اس بات کو ایک آسان مثال کے لباس میں پیش کیا جائے تاکہ پورے طور سے وہ واضح اور نمایاں ہو جائے۔

فرض کیجئے کہ ہم نے قلم اٹھا کر اپنے ایک گہرے اور مخلص دوست کو خط لکھا یا برسات کے موسم کے کسی خوبصورت، دل کش منظر کی کاغذ پر سینری بنائی۔ مادہ پرست کہتے ہیں کہ اس کاغذ اور روشنائی کا مادہ "قدیم" اور "ازلی" تھا، لیکن وہ شکل وصورت کو ہرگز "قدیم" اور "ازلی" نہیں کہہ سکتے جس کا پہلے کوئی نام ونشان نہیں تھا جو ہمارے ہاتھ اور انگلیوں کی حرکت کے ذریعہ وجود میں آئی ہے، خواہ مخواہ مادہ پرستوں کو اسے "حادث" ماننا اور کہنا پڑے گا۔ اب ہماری باری ہے کہ ہم ان حضرات سے دریافت کریں کہ یہ شکل وصورت جو آپ کے نزدیک "حادث" ہے کیونکر عدم سے وجود میں آگئی ہے؟ کیا عدم وجود کا سرچشمہ بن سکتا ہے؟

مادہ پرستوں کا طبقہ موجودات کی شکلوں اور صورتوں کے سلسلے میں اس اعتراض کا جو جواب دے گا ہم خدا پرست اسی کو مادے کے متعلق اعتراض کے جواب میں دہرا دیں گے! اگر وہ اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکے تو پھر ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ یہ اعتراض صرف خدا پرستوں کے مسلک کے لحاظ سے ناقابل جواب ہے، لیکن مادیین کے مسلک کے لحاظ سے قابلِ جواب ہے!!

(ب)

اگر تھوڑا سا باریک بینی سے کام لیا جائے کہ مذکورہ اعتراض اس طرح پیدا ہوا ہے کہ اس میں لفظ "سے" کے وہی معنی ہیں جو اس جملے میں ہیں۔

"گھر کو اینٹ، گارے، چونے، کانپ، سیمنٹ اور بالو وغیرہ "سے" بنایا گیا ہے۔"

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس مذکورہ جملے میں لفظ "سے" ایک موجود شے کے "مادے" کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح انہی معنی میں اسے اس فقرے میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔

"دنیا عدم "سے" وجود میں آئی ہے"

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس جملے میں لفظ "سے" مادے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ دنیا پہلے موجود نہیں تھی بعد کو موجود ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں یوں عرض کیا جائے کہ یہ لفظ "حدوثِ عالم" کے معنی سمجھانے کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیا جس "مادے" سے بنی ہے وہ "عدم" ہے اسی بات کو فلسفیانہ مذاق رکھنے والے بزرگوں کے لئے یوں کہا جاسکتا ہے۔

"ممکن الوجود" وہ ہے جو خود بخود وجود کا مالک نہیں ہے، ان "موجوداتِ ممکنہ" میں سے ہر موجود میں دو پہلو پائے جاتے ہیں، ایک[1] "ماہیت" اور دوسرے[2] "وجود"

"ماہیت" ان معنی اعتباری کا نام ہے جس کی نسبت وجود اور عدم سے یکساں ہے، یعنی ہوسکتا ہے کہ وہ لباس وجود پہن کر موجود ہوجائے اور ہوسکتا ہے کہ اسے معدوم فرض کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں "ماہیت" وہ نقطہ مشترک ہے جس کا "انتزاع" کسی چیز کی حالت وجود و عدم کے لحاظ سے اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ موازنے کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ہم نے جب کسی شی کو اس کی ہستی اور نیستی کی

حالت کے ساتھ رکھا تو ان دونوں حالتوں کے درمیان جو "قدر مشترک" ہے اسی کو "ماہیت" رکھ لیا ہے، مثلاً ہم کہتے ہیں کہ "یہ درخت پہلے یہاں پر نہ تھا، اب ہے"۔ "فلاں آدمی پہلے موجود نہیں تھا اب موجود ہے"۔ یہاں ہم نے جس چیز کو وجود و عدم کی دو مختلف حالتوں کا سنگم قرار دیا ہے وہی "ماہیت" ہے

اس بنا پر اس کے معنی کہ "خدا دنیا کو عدم سے وجود میں لایا" یہ ہیں کہ اس نے ماہیتِ عالم کو معدوم ہونے کے بعد موجود بنایا۔ دوسرے لفظوں میں وہ "ماہیت" کو حالتِ عدم سے حالتِ وجود میں لایا۔

(ج)

اعتراض کے دوسرے حصے کے جواب کی خاطر شروع میں "زمان اور مکان" کے معنی کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

"زمان و مکان" کی حقیقت کے متعلق فلاسفہ نے بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ ان کے بہت سے خیالات میں سے جو خیال ماننے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ "زمان" ایک ایسی چیز ہے جس کا وجود "مقدارِ حرکت" کا رہونِ منّت ہے۔ اگر موجوداتِ عالم میں رتی بھر حرکت نہ پائی جاتی، سارا عالم ہر حیثیت سے بالکل ساکن ہوتا تو ہرگز "زمان" کا وجود نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ زمانہ حرکت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

رہ گیا "مکان" وہ دو جسموں کی مختلف حالتوں کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کی ایک دوسرے سے کیا نسبت ہے۔ ایک جسم کا جب دوسرے جسم سے مقابلہ کیا جائے تو ان کے "مکان" کا پتہ چلتا ہے "زمان و مکان" کی اس سے زیادہ وضاحت کے لئے کتبِ فلسفہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

"زمان و مکان" کی مذکورہ بالا توضیح کی روشنی میں اس مجموعۂ عالم کے لئے نہ کوئی "زمان" ہے اور نہ کوئی "مکان" کیونکہ اس سے باہر کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے

جو حرکت کرے اور اس کی حرکت سے نتیجتاً زمانہ پیدا ہو جس کی حالت اور اس مجموعۂ عالم کی حالت کے درمیان نسبت کا لحاظ کیا جائے اور "مکان" کا تصور کیا جائے۔ باریک بینی سے کام لیجئے۔

(د)

اس کے علاوہ یہ واضح ہے کہ "زمان ومکان" جسم اور مادے کی ایک خاصیت اور ان کا لازمہ ہیں۔ ان کا وجود جسم اور مادے کے وجود کے بعد ہے۔ جسم اور مادے کے موجود ہونے سے پہلے وہ موجود نہیں ہو سکتے۔ اس بنا پر یہ کہنا ٹھیک ہے کہ عالم ایک ایسا "حادث" ہے جس کے وجود میں آنے سے پہلے "زمان ومکان" نہیں تھا۔ کیونکہ یہ دونوں جسم کے تشکّل سے پیدا ہوئے ہیں، ان کا خود جسم کے وجود سے پہلے موجود ہونا نامعقول ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ہر حادث زمان ومکان کا محتاج ہے" اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس دنیا میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے اور دوسری چیزوں کے درمیان جب نسبت دیکھی جاتی ہے تو "زمان ومکان" پیدا ہوتے ہیں۔ اس کلیہ سے مجموعۂ عالم الگ ہے۔ خلاصہ یہ کہ "زمان ومکان" چونکہ خود عالم کے خصوصیات اور لوازم میں سے ہے لہٰذا اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ ان کا وجود عالم کے وجود سے پہلے ہو اور یہ مجموعۂ عالم ان کا محتاج ہو۔

(ماخوذ از کتاب "آفریدگار جہان" اور "اصول فلسفہ")

نیچرل اسباب معلوم ہو جانے کے بعد پھر خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

خدا کے وجود کو ماننے کا اور دوسرے مذہبی عقائد کا سرچشمہ کیا ہے؟ اس دور کے مادہ پرستوں نے خداشناسی اور مذہبی عقائد کے پیدا ہونے کی بابت ایسے خیالات

کا اظہار کیا ہے جو یقیناً دعوائے بے دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں اگر اس نظر سے دیکھا جائے تو اس کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں ہے، لیکن ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ ان کے پاس اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے دلائل اپنی جگہ موجود ہیں جو ان کے لئے تسلی اور اطمینان بخش بھی ہیں۔ اس فرض کے بعد وہ خیالات اس قابل بن جاتے ہیں کہ ان کا جواب دیا جائے۔

منکرین خدا کا کہنا ہے کہ "مذہبی عقائد مادی نیچرل اصول وقوانین سے انسان کی ناواقفیت کا نتیجہ ہیں"۔ انگلس (ENGEIS) کہتے ہیں، وہی بزرگ جن کا شمار بین الاقوامی کمیونزم کے مؤسسین میں ہے "مذہب انسان کی محدود اور کوتاہ عقل کی پیداوار ہے۔"

اس جملے کی تشریح یہ ہے کہ مادہ پرستوں کے نظریہ کے مطابق انسان کے سامنے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں مختلف قسم کے واقعات آئے، بارشیں ہوئیں، تیز آندھیاں چلیں، خوفناک بجلیاں کوندیں، ہولناک طور پر بادل گرجے، تباہ کن سیلاب اور زلزلے آئے، طرح طرح کی آفتوں اور مصیبتوں سے وہ دوچار رہا۔ چونکہ اس وقت انسان علم کے میدان میں گھٹنیوں چل رہا تھا بلکہ ابھی اس میدان میں اس نے چلنا ہی نہیں شروع کیا تھا۔ وہ ان حوادث اور واقعات کی حقیقی علت بتانے سے عاجز تھا لہٰذا وہ ان کی پیداوار خود بخود نہ قرار پا جانے کی خاطر خدا کے نام سے ایک غیبی طاقت کا معتقد بن گیا۔ اس نے اس کو تمام واقعات کا سرچشمہ قرار دے دیا۔ اسے اس ابتدائی دور زندگی میں کیا پتہ تھا کہ سورج کی تمازت سمندروں کے پانی میں گرمی پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے سمندروں سے بھاپ اٹھتی ہے۔ بادلوں کی تشکیل انہی بخارات سے ہوتی ہے، اوپر جانے کے بعد یہ بخارات ٹھنڈک پاکر پھر پانی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

انسان کو شروع شروع کیا پتہ تھا کہ گھانس اس وقت زمین سے اگتی ہے جب اس کے تمام اسباب حیات، اس کی زندگی کی تمام شرطیں فراہم ہوں۔ گرمی، پانی، اس کی غذا کا بندوبست ہو۔ اس کے علاوہ زندگی کے دوسرے نیچرل اسباب موجود ہوں۔

ابتدائی انسان ملیریا کے جراثیم بردار مچھر سے بے خبر تھا۔ وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ جہاں پانی اکٹھا ہو یا کائی جمی ہوئی ہو وہاں مچھر انڈے دیتے ہیں۔ اس بے خبری کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ گمان کرتا تھا کہ حوض، تالاب اور کائی جم جانے کے مقامات پر جنّات رہتے ہیں، بیماری پیدا کرنے کا وہی سبب ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رموز خلقت سے ناواقفیت اور گوناگوں واقعات کے نیچرل اسباب سے بے خبری نے انسان کو خدا اور ما بعد الطبیعۃ موجودات کا قائل بنایا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس نے ان واقعات کے حقیقی اسباب کا انکشاف کیا، اب اسے پتہ چلا کہ ہر چیز کا ایک طبیعی سبب ہے، خدا اور کسی غیبی طاقت کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جتنی جدید علوم کی بنیادیں کمزور ہوں گی، جتنے جتنے رموز خلقت آشکار ہوتے جائیں گے دین کی بنیاد کمزور ہوتی جائے گی۔

مذکورہ باتوں کے ساتھ مادہ پرست طبقہ کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کہ خدا کو ماننے والے نیچرل اسباب کے قائل نہیں بلکہ ان کے بجائے خدا کے معتقد ہیں۔ اسی خیال کی بنیاد پر بہت سے مادیین سائنس کو مذہب کے مقابل قرار دیتے ہیں۔ وہ یوں کہتے ہیں کہ "علمی حیثیت سے فلاں مسئلے کا یہ جواب ہے، لیکن مذہبی لحاظ سے مختلف اس کا جواب یہ ہے"

خدا، یعنی مسبّب الاسباب

مذکورہ خیال ایک غلط فہمی کی حیثیت رکھتا ہے جس کا دفعیہ بہت آسان ہے۔ کیونکہ اس میں

کیا منشا ئقہ ہے کہ تمام واقعات اور موجودات ان مادی اسباب کے ساتھ ایک غیرمادی مبدأ وجود بھی رکھتے ہوں جو ان مادی اسباب کا وجود میں لانے والا ہو؟

یہ بات بدیہی اور مانی ہوئی ہے کہ کوئی چیز نیستی سے عالم وجود میں بغیر کسی سبب کے قدم نہیں رکھتی ہے۔ اس امر کو شک و شبہ سے بالاتر ہونا چاہئے کہ خدا پرست طبقہ بھی بلا استثنار تمام حوادث اور واقعات کے وجود کے لئے کچھ اسباب قرار دیتا ہے، مادہ پرست طبقہ کی طرح اس کے نزدیک بھی نیچرل اصول اور قوانین کے مطابق تمام موجودات ایک دوسرے کے وجود میں مؤثر ہیں، لیکن دونوں جماعتوں کے درمیان بس اتنا سا فرق ہے کہ خدا پرست طبقہ ان تمام نیچرل اسباب کے علاوہ ان سے بالاتر ایک مابعد الطبیعہ غیبی سبب کا معتقد ہے جو ان سب مادی اسباب کو وجود میں لانے والا ہے۔

بدنیتی یا بے خبری مادیین کے اس اظہار خیال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مذہبی مسائل سے ناواقف ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے جان بوجھ کر دنیا کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی غرض سے حقیقت کو الٹا کرکے پیش کیا ہو۔

کون خدا پرست چاہے تعلیم یافتہ شخص ہو اور چاہے جاہل مادی اسباب کا انکار کرتا ہے؛ اصولاً نیچرل اسباب کا ماننا ایک فطری چیز ہے، کیونکہ ہر شخص جانتا اور مانتا ہے کہ آگ جلاتی، پانی آسے بجھاتا، بلا بادلوں کے پانی نہیں برستا ہے اور وہ ہوا کے تندو تیز جھونکوں کے بغیر ادھر اُدھر پراگندہ ہوکر پہاڑ کرتے ہیں۔

آخر لوگ اپنے راحت و آرام کو تجکر کس لئے کاروبار کے پیچھے دوڑتے ہیں؟ کیوں تجارت کرتے، مختلف کام سیکھتے، بیمار پڑتے تو ڈاکٹروں کے پاس جاتے، قیمتی قیمتی دوائیں خرید کر انھیں استعمال کرتے ہیں؟

ان سوالوں کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ وہی مادی اسباب کا فطری اقرار ہے

جس نے انھیں تمام کاموں پر آمادہ کیا ہے۔ ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ دیوانے تک لوگ گرمی کی وجہ سے پانی تلاش کرتے اور سردی کے اوقات میں آگ اور دھوپ پسند کرتے ہیں۔ جب بھوک لگتی تو روٹی کھاتے، پتھر نہیں چباتے، جب پیاسے ہوتے تو پانی پیتے، کسی دوسری چیز کو نہیں چاہتے ہیں ــــ کہنا اور ماننا پڑے گا کہ وہ بھی اس حقیقت تک پہونچ گئے ہیں کہ ہر چیز کا ایک خاص سبب ہوتا ہے۔ اس حساب سے پاگل اشخاص بھی اصول علت و معلول کو مانتے ہیں۔

دوسری طرف آسمانی کتابوں اور راہنمایان دین کے ارشادات میں یہ بات تسلیم شدہ نظر آتی ہے کہ تمام موجودات کے کچھ مادی اسباب ہیں۔ خصوصیت سے اس سلسلے میں قرآن مجید کی آیتیں بہت واضح اور صریح ہیں، اس نے ہوائیں چلنے، پانی برسنے، پودوں کے اگنے انسان کی پرورش کے متعلق ایسی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں جو سب کی سب اسی نیچرل اصول۔ اسباب ونتائج پر مبنی ہیں۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اسی طرح سے خدا کی ذات سے لوگوں کو روشناس کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً مندرجۂ ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحابا فیبسطہ فی السماء کیف یشاء ویجعلہ کسفا فتری الودق یخرج من خلالہ (روم - ۴۸)

"یقیناً وہ خدا ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ بادل کو ابھاریں، پھر اسے خدا آسمان پر جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے پھر وہ اس کے ٹکڑے کر دیتا ہے، اس کے بعد تم دیکھتے ہو کہ کیونکر اس کے شکم سے بارش ہوتی ہے۔

اس آیت میں آسمانوں کی فضاؤں میں بادلوں کی حرکت ہواؤں کے ذریعہ اور پانی برسنے کی مادی علت ایک خاص نظام کے ماتحت بیان کی گئی ہے۔ مادی اسباب کے اس پورے سلسلے کو خدا کی قدرت کی ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔

ب۔ وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج

"ابھی تم زمین کو افسردہ اور خشک دیکھ رہے ہو، جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو اس میں جنبش پیدا ہو گئی، وہ قوت نشو ونما کی مالک بن گئی، اب وہ ہر نر و مادہ گھاس اگانے لگی جو کافی خوشنما ہے۔"

اس آیت میں بھی پودوں کے اگانے، حالات زمین کی تبدیلیوں میں بارش کے اثرات کا ذکر کیا گیا اور اسے خداوند عالم کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

اگر اب اس حقیقت کا پتہ خدا پرست طبقہ کے اقوال کے ذریعہ چلانا چاہتے ہیں تو ان مذہبی کتابوں اور احادیث و روایات کو پڑھئے جن میں خدا کی عظمت و قدرت کو نیچرل اسباب کے توسط سے نمایاں کیا گیا ہے، حضرات ائمہ کے بعض ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند عالم نے اپنی یہ مستقل سیرت قرار دے لی ہے کہ وہ ہر چیز کو علل و اسباب کے واسطہ سے خلق فرمائے، مشہور روایت ہے کہ ابی اللہ ان یجری الامور الا باسبابھا "خدا کو بغیر اسباب کسی چیز کے وجود میں لانے سے انکار ہے۔"

آخر یہ کجروی کس لئے؟ منکرین خدا پرستی اور خداشناسی کی پیداوار کا جو سبب قرار دیا ہے وہ ان کے غور و خوض کرنے اور سوچنے کے نرالے طریقہ کا پتہ دیتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص صاف، ہموار، سیدھے راستے کو چھوڑ کر ٹیڑھے بکلے راستے پر چلنا شروع کر دے۔

کیوں اور کس لئے پہلے ہی دن انسان اس عالم کے ایک عالم و قادر پیدا کرنے والے کا قائل ہوا؟ اس سوال کا جواب بہت واضح ہے۔

انسان نے اس دنیا کے حیرت انگیز نظم و ترتیب میں علم و قدرت کے آثار دیکھے،

سورج اور چاند کی منظم گردش، درختوں اور ان کے پھول و پھل کی موزوں خلقت، خود آدمی کے گوناگوں پر اسرار اعضاء و جوارح، اس کا حسین و جمیل اور دیدہ زیب جسم، یہ سب چیزیں متفق ہو کر بآواز بلند انسان سے کہہ رہی تھیں کہ اندھے، بہرے، گونگے، بے شعور اتفاقات، بے عقل اور بے اختیار اسباب ہرگز اس عظیم کائنات کے خالق نہیں ہو سکتے۔ ضمیر اور فطرت انسانی کی ندا بھی موجودات عالم کی اس معقول اور منطقی پکار کے ہم آہنگ ہو گئی۔ دونوں نے مل کر انسان کی نگاہوں کو اس خالق کائنات کی ذات کی طرف متوجہ کیا۔

آخر انسان شروع شروع جتنا بھی بے عقل یا کم عقل ہو وہ اتنی سمجھ ضرور رکھتا تھا کہ اپنے اس چھوٹے سے معمولی گھر کو دیکھ کر اندازہ کرے کہ بہت سے مختلف اسباب نے جب تعاون سے کام لیا تب یہ وجود میں آیا۔ کسی شخص نے نقشہ تیار کیا۔ کچھ لوگوں نے نیو کھودی، بعض نے مختلف مقامات سے اینٹیں، پتھر اور لکڑیاں اکٹھا کیں، کچھ لوگوں نے مل جل کر انھیں اپنی اپنی جگہ نصب کیا۔ خلاصہ یہ کہ بہت سے صاحب عقل افراد نے جب اپنے اپنے فہم و شعور اور ذوق سلیم کو مختلف شعبوں میں صرف کیا تب یہ ایک چھوٹا سا گھر وجود میں آیا۔ انسان کا ذاتی شعور ہرگز اس کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ یہ کہے کہ ہوا، بارش، گرج، بجلی اور ان کے مانند بے ارادہ اور بے شعور اسباب نے مل جل کر اس عمارت کے مصالحے جمع کئے اور اس طرح وہ وجود میں آ گئی۔

ہر دور کے انسان نے اپنے ذاتی فہم و شعور کی بنا پر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر منظم، متوازن اور مرتب چیز کسی باشعور بنانے والے کی محتاج ہے۔ وہ ہرگز اتفاقی طور سے وجود میں نہیں آ سکتی ہے۔

اس اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے اس وسیع دنیا پر نگاہ کی جس کے ہر ہر گوشے میں اسرار و رموز چھپے ہوئے ہیں۔ جہاں کی ہر ہر چیز مخصوص اور معین نظام کے ماتحت

کسی خاص مقصد اور غرض کو پورا کرنے میں مصروف ہے۔ انسان نے پوری دنیا کی طرف بہ چشم خود اپنی حیرت انگیز ہستی کے معمے کی جانب مزید توجہ کی۔ اس دھڑکتے ہوئے دل، دیکھتی ہوئی آنکھوں، سنتے ہوئے کانوں کو دیکھا۔ خواہ مخواہ اس نے ان کے متعلق وہی فیصلہ کیا جو اپنے چھوٹے سے گھر کی بابت کر چکا تھا۔ اسے باور نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کی سطح عقل وشعور کتنی ہی پست کیوں نہ ہو۔ وہ ایک معمولی سے مکان کے متعلق سابق فیصلہ کرے اور اس نظام کائنات اور دنیائے وجود کے سلسلے میں پریشان ہو جائے۔ یہ عقل وشعور کی طاقت ہمیشہ انسان کے ساتھ رہی ہے۔ خداشناسی اور خداپرستی کا سرچشمہ یہی طاقت ہے۔

اس بنا پر مذہبیات اور خداشناسی کا سرچشمہ انسانی عقل وفکر ہے نہ کہ اس کی جہالت اور نادانی۔ جتنی جتنی انسانی عقل وفکر مکمل ہوتی گئی۔ اگر ابتدائی زمانوں میں اس نے خدا کو غلط طور پر پہچانا تو رفتہ رفتہ صحیح اور زیادہ مکمل طریقہ سے پہچانا ہے۔

واقعتاً یہ قابل تعجب بات ہے کہ مادہ پرست طبقہ نے خداشناسی کی پیدائش کے اصلی اور حقیقی سبب کو چھوڑ کر الٹا سبب قرار دیا ہے!

خداپرستی سائنس کے دوش بدوش مادیین کے قول کے بالکل برعکس خدا پر ایمان براہ راست عقل وعلم کا نتیجہ ہے۔ علوم وفنون کی ترقیوں کے ساتھ ساتھ خداشناسی کی بنیادیں مستحکم ہو رہی ہیں۔ وہ علم اور سائنس کے دوش بدوش چل رہی ہے کیونکہ جس قدر سائنس ترقی کر رہا ہے اسی قدر رموز خلقت اور نظام کائنات کے چہرے سے نقاب زیادہ سرکتی جاتی ہے۔ خدا کے وجود کی بابت ہمارے ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم اور شاندار قصر وجود کا نظام جتنا زیادہ واضح ہوگا اسی کے مطابق بنانے والے کی قدرت وحکمت زیادہ نمایاں ہوگی۔ ہزار سال پہلے اگر خدا کے پہچنوانے کے لئے دلیل قائم کرنا چاہتے تو ان سطحی اور محسوس ظاہری آثار کے دائرے سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے تھے قدرتی طور سے ہماری دلیلیں محدود تھیں، لیکن آج

چھوٹے سے چھوٹے سے موجود یعنی ایٹم سے لے کر بڑے سے بڑے ستاروں اور کہکشاؤں تک، دور ترین موجودات سے لے کر قریب ترین موجودات تک اس مقدس ذات کی معرفت کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

آج علوم کی ترقی کے طفیل میں واقعی کسی درخت کی ایک پتی یا ایک حقیر مال کے ذریعہ مختلف پہلوؤں سے خدا کو پہچنوایا جاتا ہے۔ اس بنا پر سائنس نہ صرف یہ کہ خداشناسی کے خلاف نہیں ہے بلکہ خداشناسی کا بہترین ذریعہ ہے۔

انسان پچھلے زمانے میں کسی پودے کی سبز و شاداب پتی کو واقعتاً ایک معمولی چیز ایک سیاہ یا سفید بال کو ایک بے قیمت شئی، آسمان کی اس نیلگوں سطح کو جسے نقرئی کیلوں سے سجا دیا گیا ہے، خود اپنے کو گوشت و پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچہ کے علاوہ کوئی باوقعت چیز نہیں سمجھتا تھا، لیکن آج انسان جاگ چکا ہے، آج اُسے ہر ذرّے کے دل میں ایک چمکتا ہوا سورج، کسی پودے کی ننھی سی پتی کے چھوٹے سے صفحہ پر سیکڑوں اسرار خلقت نظر آتے ہیں۔ یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ کسی کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز کی اہمیت جتنی زیادہ نمایاں ہوگی اسی کے مطابق اس کے بنانے والے کے مرتبے کی عظمت اور اہمیت زیادہ واضح ہوگی۔ آج اور کل کے درمیان بالکل وہی فرق ہے جو ایک جاہل اور بڑے عالم کے درمیان، آیا ان دونوں میں سے کون خدا کو بہتر اور زیادہ مکمل طور سے پہچانتا ہے؟

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے کتب و اقوال میں انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ موجودات عالم میں غور و خوض کرے۔ ایسے لوگوں کو سرزنش کی گئی ہے جو اس سلسلے میں کوتاہی کریں۔ پیشوایان دین نے خدا کی معرفت کا بہترین ذریعہ مخلوقات اور موجودات کے مطالعہ کو قرار دیا ہے۔ خصوصاً حضرت امام جعفر صادق ؑ نے منکرین خدا سے جو بحثیں کی ہیں ان میں یہ حقیقت بہت نمایاں طور سے نظر آتی ہے۔ توحید

اور خدا شناسی کے سلسلے میں قرآن مجید کی روش بھی یہی ہے۔

اب آپ منصفانہ فیصلہ کیجئے کہ علوم وفنون کے سایہ میں خدا شناسی اور مذہبی حقائق کی بنیادیں کمزور ہوئی ہیں یا زیادہ مضبوط اور مستحکم؟

یہ بات فقط ہم نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اہل علوم کے بعض عظیم المرتبت ماہرین اس کا اقرار کرتے ہیں۔ ذیل میں بطور نمونہ چند اعترافات کو پیش کیا جاتا ہے۔

ہرشل (HERSCHEL) کے الفاظ ہیں:

"جتنا جتنا علم کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگا ازلی اور ابدی خدا کے اثبات کے لئے طاقتور اور دندان شکن دلیلیں زیادہ ہاتھ آئیں گی۔ حقیقت میں ریاضی دانوں، زمین شناسوں، فلکیات اور طبیعیات کے ماہروں نے متفق ہو کر قصر علم یعنی قصر معرفت خدا کو مستحکم طور سے تعمیر کیا ہے۔"

مونٹ نیل نے دائرۃ المعارف میں کہا ہے:

"علوم طبیعیہ کی اہمیت صرف اس لحاظ سے نہیں ہے کہ وہ ہماری عقل کی پیاس کو دور کرتے ہیں، ان سے ہمارے ضروریات زندگی پورے ہوتے ہیں بلکہ ان کی زیادہ تر اہمیت اس لیے ہے کہ وہ ہماری عقل کو اتنا بلند کر دیتے ہیں کہ ہم ان کے ذریعہ خدا کی عظمت کو محسوس کرتے ہیں۔"

نیوٹن نے اس بارے میں بہت تفصیلی گفتگو کی ہے، وہ اس کے ضمن میں کہتے ہیں:

"ہم کانوں کی گہری ساخت کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کا بنانے والا آواز سے تمام اصول کو مکمل طور سے جانتا تھا، یونہی آنکھوں کا بنانے والا روشنی اور دیکھنے کے عمل سے متعلقہ تمام پیچیدہ قواعد سے باخبر تھا، نظام افلاک کے مطالعے سے اس عظیم حقیقت کا ہمیں پتہ چلتا ہے جس نے ان افلاک کو اپنے عقل و حکمت سے بھرپور ارادوں کا پابند بنا رکھا ہے" (منقول از دائرۃ المعارف علامۂ وجدی ج ا ص ۵۰۳)

مادی اسباب اور خدا پرست طبقہ

حضور والا باور کریں ہم خدا پرست لوگ اس نیچر کی دنیا کے اسباب ونتائج کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔

اتفاقاً ہم مادہ پرستوں سے زیادہ اس عالم اسباب کے قائل ہیں! کیوں؟ اس لیے کہ خدا کے پہچاننے کا ذریعہ یہی ہیں۔ ہم نے اسے اس نیچر کی دنیا کے انہی اسباب ونتائج کے ذریعہ پہچانا ہے۔ ہم اگر ان حیرت انگیز اور منظم اسباب ونتائج سے آنکھیں بند کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے خود اپنا سارا سرمایہ برباد کر ڈالا۔

ہم ان لوگوں کو دھوکے میں مبتلا سمجھتے ہیں جو زلزلوں، آندھیوں اور ایسے ہی دوسرے حادثوں کو براہ راست خدا کا فعل خیال کرتے ہیں۔

رموز موجودات کا انکشاف، مادی اسباب کے چہرے سے نقاب برداری نہ فقط یہ کہ ہمارے ایمان میں تھوڑا سا بھی تزلزل نہیں پیدا کرتی بلکہ تمام علمی ترقیوں کے ساتھ ساتھ اس عظیم مبدأ وجود کے متعلق ہمارا ایمان زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہمیں اس دنیا کے حیرت انگیز اسرار و رموز کا مطالعہ کرکے لطف محسوس ہوتا ہے۔ ہم تازہ بتازہ علمی انکشافات سے خوش ہوتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ خداشناسی کا راستہ آپ کے ہاتھوں بلا آپ کی توجہ کے روز بروز صاف اور ہموار ہو رہا ہے۔ ہم ان تمام اسرار و رموز کو اسرار الٰہیہ سمجھتے ہیں۔ ہم اس خیال میں یقیناً حق بجانب ہیں، کیونکہ اگر آپ مادہ پرست لوگ انصاف سے کام لیجئے، تعصب اور تکبر سے دور ہو کر غور فرمائیے تو اسی نتیجہ پر پہونچئے گا کہ بے شعور، بے ارادہ، بے مقصد نیچر اس کی بھی قابلیت نہیں رکھتا کہ کسی پودے کی ننھی سی پتی بنا سکے۔

غلط فہمی نہ پیدا ہو ہم نے یہ جو عرض کیا کہ سائنس کی ترقی سے مذہب کی بنیادیں زیادہ مضبوط ہوں گی۔ اس سے مراد عالم ہستی کے پیدا کرنے کا وجود ہے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ موجودہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ترقی کے ساتھ اخلاق اور کیرکٹر کے لحاظ

سے بھی انسان نے ترقی کی ہے، بلکہ شاید معاملہ الٹا ہے، کیونکہ اس میں شک نہیں ہے کہ علوم طبیعیہ کی ترقی کے ساتھ مادی زندگی کے تمام پہلوؤں کو قوت حاصل ہوئی، وسائل عیش و نوش اور اسباب شہوت رانی عمومی طور پر سب لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ گئے۔ دوسری طرف ایک قسم کی غیر محدود آزادی کی وجہ سے جو اس طرح کے مادی تمدن کا لازمہ ہے لوگ اخلاق و انسانیت سے دور ہو گئے، ان کی زندگی کے عملی اور اخلاقی پہلوؤں میں کمزوری پیدا ہو گئی۔ خلاصہ یہ کہ سائنس کی ترقی اگرچہ خدا شناسی کے راستے کو زیادہ ہموار بناتی ہے، اس عظیم ذات اقدس کی معرفت کے لئے ہمیں نئی نئی دلیلیں دیتی ہے لیکن یہی ترقی مطلق العنان اکثریت کے غلط فائدہ اٹھانے کی بنا پر انسانی اخلاق پر بہت برا اثر ڈالتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمی اور صنعتی ترقیوں کے ساتھ ساتھ جرائم اور اخلاقی مفاسد کے اعداد و شمار برابر بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا یا کہا جا سکتا ہے

بعض مادیین کا کہنا ہے:

"مادی اسباب و اصول کو مانتے ہوئے ان سے بالاتر کوئی طاقت خدا کے نام سے نہیں مانی جا سکتی، کیونکہ اس ایک دنیا میں یا مادی اصول و اسباب حکومت کریں اور یا ان سے بالاتر طاقت، چونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں مادی اسباب اور قوانین پورے طور سے اثر انداز ہیں، دنیا کے تمام موجودات پر ناقابل تبدل مادی قوانین و اسباب کی حکومت ہے اس لئے نیچر کے حدود سے باہر کسی طاقت کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔ خلاصہ یہ کہ مادی اسباب کے مؤثر ماننے کے بعد ان سے بالاتر کسی طاقت کا اعتقاد قبول کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس اعتقاد کا وہ دور گزر گیا جب روزمرہ پیش آنے والی چیزوں کے حقیقی اسباب سے انسان بے خبر تھا۔ اسی لیے جوں جوں ان اسباب کا انکشاف ہو رہا ہے وجودِ خدا کا عقیدہ کمزور بلکہ نابود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ رفتہ رفتہ مذہب کی جگہ علم اور سائنس لے رہا ہے۔"

عجیب و غریب خدا! مذکورۂ بالا نکات پھر اس تلخ حقیقت کی طرف متوجہ کر رہے ہیں جیسے عرض کیا جا چکا ہے کہ منکرین خدا خداشناسوں کے واقعی عقائد سے بے خبر ہیں۔ ان لوگوں نے یا دینداروں کے عقائد کے متعلق مکمل تحقیق نہیں کی ہے اور یا انہیں سیدھے سادے عوام اور جاہل لوگوں سے معلوم کیا ہے۔ شاید اس لحاظ سے یہ یکطرفہ کوتاہی نہ ہو بلکہ بہت سے دیندار اس اعتراض کی بنیاد رکھنے میں شریک ہوں، کیونکہ وہ خدا کو اس طرح پیش کرتے ہوں جس سے اس قسم کے اعتراضات پیدا ہو سکتے ہوں لیکن صاف بات ہے کہ ہر طبقہ کے عقائد کو ان کے علماء یا ان کی کتابوں سے حاصل کرنا چاہیئے۔

بہرحال ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ مادہ پرستوں نے خدا کے متعلق عجیب و غریب تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ حقیقتاً ان کے ان اعتراضات کا نشانہ خود ان کے وہ باطل تصورات ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ انھوں نے خدا کو ایسی طاقت فرض کیا ہے جو نیچر سے بالکل بے تعلق ہے۔ اس سے دور اور بیگانہ ہے۔ یہ نیچرل دنیا بھی خود بخود معینہ اصول و قواعد کے مطابق گردش کر رہی ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنی غیر محدود طاقت اور قدرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مادی قوانین اور اصول کے تقاضوں کو نہیں پورا ہونے دیتا، یعنی بقول ایک مادہ پرست مفکر کے وہ ایک خود سر ارادے کا مالک ہے۔

اس بنا پر دنیا میں بدنظمی کارفرما ہونا چاہیئے۔ مادی اسباب کو ہمیشہ اپنے کام میں لگاتار مشغول نہ رہنا چاہیئے۔ اسی بدنظمی کو دیکھ کر خدا کو پہچانا جائے گا زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ خدا کا ماننا یعنی اس عالم وجود کو غیر منظم ماننا۔ چونکہ تمام موجودات نظام و قانون کے پابند ہیں لہذا خدا کے وجود کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان مادہ پرستوں نے خیال کیا ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو بلا واسطہ پیدا کیا ہے۔ اس کے تاثرات مادی اسباب کے توسط سے نہیں ہیں۔ واقعہ امر ہے کہ ایسے خدا کا وجود، یعنی مادی قوانین اور نیچرل اسباب کا عدم۔

حقیقتاً خدا کے متعلق ان لوگوں کا تصور نہایت ہولناک ہے۔ یہ مادہ پرست جس خدا سے جنگ کر رہے ہیں وہ ذہن سے باہر ہرگز موجود نہیں ہے۔ کسی صحیح خداپرست نے اس کو ایک خودسر ارادے کا مالک نہیں مانا ہے۔ کون مذہبی شخص اسے تمام چیزوں میں براہ راست بلا واسطہ مؤثر مانتا ہے؟

انتہائی حیرت انگیز بات ہے کہ مادہ پرست طبقہ نے بلا کسی تحقیق کے فیصلہ کر دیا ہے۔ ہمیں جن مسائل میں مکمل مہارت حاصل نہیں ہے ہم کافی غور وخوض کے بعد بھی ان کے متعلق قطعی اور یقینی فیصلہ نہیں کرتے، لیکن مادہ پرستوں کا یہ حال ہے کہ جس مسئلے میں انھوں نے تحقیق کرنے کی بالکل زحمت نہیں کی ہے اس کے بارے میں وہ قطعی طور پر اظہار رائے کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہمارے نزدیک اس اعتراض کا بہترین جواب یہ ہے کہ خدا کی بابت خداپرستوں کے عقیدے کو واضح طور سے بیان کر دیا جائے۔

خدا کو ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک غیر محدود وجود، غیر محدود علم وقدرت کا نام ہے۔ وہ مکمل اقتدار کے باوجود کوئی کام مصلحت وحکمت کے خلاف انجام نہیں دیتا ہے۔ ان کے نزدیک موجودات کا پیدا کرنے والا ان سے جدا نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ ہے، ہر چیز کے ہمراہ ہے۔ اس کے باوجود زمان ومکان میں محدود نہیں ہے۔ اس کے واسطے کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ خداپرستوں کے نزدیک یہ مادی اصول وقوانین اور تخلیقی قواعد وضوابط فعل خدا ہیں۔ نظام موجودات اس کا عمل اور اس کے وجود کا گواہ ہے۔ خدا نے اس عالم وجود میں معدوم ہونے کے بعد موجود ہونے والی ہر چیز کے لئے ایک سبب، ایک اثر، ایک نتیجہ اور ایک مقصد قرار دیا ہے۔ وہ مادی اسباب کے

توسط سے مختلف چیزوں کو وجود میں لاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ مادی اسباب کے تقاضوں کے خلاف اپنی قدرت سے کام لے کر انھیں نہ پورا کرنے۔ نیچرل اسباب اور قوانین میں سے ہر ایک اس کی قدرت کی نشانی اور اس کے ارادے کی ایک جھلک ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ خدا پرستوں کا طبقہ مادی اثرات کے طرفداروں کی پہلی صف میں ہے، یہاں تک کہ بعض محققین کا خیال ہے کہ معجزات کی پشت پر بھی کچھ پوشیدہ اسباب ہوتے ہیں جن کی حقیقت تک ہم لوگ نہیں پہونچ سکتے۔ کبھی کوئی نتیجہ بغیر سبب کے وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس بنا پر یہ اصول ہمہ گیر ہے کہ ہر جگہ مادی چیز کے لئے مادی سبب ہوا کرتا ہے۔ معجزہ بھی اس قاعدے سے باہر نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ معجزات کی پشت پر ایسے اسباب ہیں جن کو ہم ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔ نیز وہ اسباب معمولی نہیں غیر معمولی ہیں۔

ان توضیحات کو پیش نظر رکھنے کے بعد مذکورہ اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ کیونکہ مادی اصول و قوانین کا ماننا نہ صرف یہ کہ ایسے خدا پر ایمان لانے کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے وجود کو ثابت کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ نیچرل قوانین اور ان کی منظم رفتار خود نیچر سے بالاتر ایک طاقت کا پتہ دیتی ہے جو ان قوانین کی موجد اور اپنی معین کی ہوئی شکل پر باقی رکھنے کی ذمہ دار ہے۔

مادی اصول اور ضابطے، یعنی چہ؟

مادیین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مادی قوانین کو ناقابل تغیر سمجھتے ہیں، وہ ان کے نزدیک خود بخود وجود میں آئے اور تمام موجودات پر حکومت کر رہے ہیں۔

کیا ہم ان مادہ پرستوں سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ "مادی قوانین" سے آپ کی کیا مراد ہے؟

وہ مجبور ہو کر جواب میں کہیں گے کہ یہ مادی قوانین ہی ہیں جن کی حکومت دنیا

کے تمام چھوٹے اور بڑے موجودات پر بھی [illegible]
مخصوص طریقہ پر کام کرتا ہے، نظام شمسی کے تمام کرے سورج کے گرد منظم طور سے گھومتے ہیں، اس طرح کہ ان کے ایک دوسرے سے فاصلے متعین ہیں۔ الیکٹران متعینہ مدار کے منظم طور پر پروانوں کی طرح اپنے مرکزی نقطے کے گرد گردش کرتے ہیں۔

پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا واقعی یہ قوانین جنھوں نے تمام موجودات عالم کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے خود بخود منظم ہو گئے ہیں، بلا کسی صاحب شعور طاقت کے انھوں نے یہ صورت اختیار کر لی ہے یا یہ کہ کسی غیر محدود، طاقتور عقل و شعور نے انھیں ایسا منظم اور مرتب بنا دیا ہے؟ واضح بات ہے کہ انسانی عقل وضمیر دونوں بالاتفاق دوسری صورت کو مانتے ہیں۔ وہ ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ ان کے مادی قوانین کے متعلق فیصلہ کیا جائے کہ وہ خود بخود وجود میں آگئے ہیں کیونکہ ہر چیز کا مرتب، منظم اور کسی مقصد و غرض کے ماتحت ہونا بتاتا ہے کہ اسے کسی صاحب عقل و شعور طاقت نے اپنے ارادے اور اختیار سے موجود بنایا ہے۔

صرف پیچ اور ڈھبلیاں یا موجد اور انجینیر بھی؟

اگر مادیین کا یہ اعتراض صحیح ہو تو تمام موجدوں، انشاپردازوں، دنیا کے تمام صاحبان ہنر کا انکار کرنا پڑے گا! دریافت کیجئے اور ضرور دریافت کیجئے کہ کیوں اور کس لئے؟ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کارخانہ میں بہت سی مشینیں رکھی ہیں جن کی تشکیل بہت سے پرزوں نے کی ہے۔ ڈھبلیاں بہت سے مقامات پر پیچوں سے کسی ہوئی ہیں، چھوٹے بڑے گول گول چکر جا بجا لگے ہوئے ہیں۔ یہ سب پرزے مخصوص، منظم طریقے سے گردش کر رہے ہیں، سب کا کام آپس میں اکیا کرکے ایک خاص فریضہ کا انجام دینا ہے۔

مادہ پرستوں کے خیال کے مطابق ہمیں یوں کہنا چاہیئے کہ یہاں وہ سائنسی اور فنی اصول حکومت کر رہے ہیں جنھوں نے ان مشینوں کے پرزوں کو خاص نظم وضبط کے ساتھ مخصوص

...کروں سے بالاتر ہے؟ ان دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں ہے یا چونکہ ان مخصوص قوانین کا وجود ناقابل انکار ہے جن کی مشینوں کے تمام پرزوں پر حکومت ہے لہٰذا وہ طاقت جو ان قوانین سے بالاتر ہو موجود نہیں ہے! ہمیں کہنا چاہیئے کہ ان مشینوں کا کوئی موجد اور ان کا چلانے والا کوئی انجنیئر نہیں ہے!!

ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا، کیونکہ اسے ان دونوں چیزوں کے درمیان کوئی تضاد اور ٹکراؤ نظر نہیں آتا کہ علمی قوانین اور ان مشینوں کے لئے موجد اور انجنیئر دونوں ہوں، وہ ان قوانین کو انسانی دماغ کی پیداوار سمجھتا ہے۔ پھر بعینہٖ یہی فیصلہ اس نظام کائنات اور مادی قوانین کی بابت کیوں نہ کیا جائے؟

نیچر خدا کا فعل ہے

وہ چیز کہ جس کا نام ہم نے "نیچر" رکھا ہے، وہ راز کہ جن کا سائنسدانوں نے جدید علوم کی مدد سے انکشاف کیا ہے اور جن پر فخر کر رہے ہیں، وہ تمام گتھیاں جو سائنس کی طاقتور انگلیوں نے کھول دیں، وہ رموز کائنات جنھوں نے اپنے شاندار، خوبصورت چہرے کو نیچر کے اس گدے اور دبیز پردے کو پیچھے چھپا رکھا ہے جو اپنے بیقرار عاشق سائنسدانوں کو طویل انتظار میں مبتلا بنائے ہوئے ہیں جن کی تعداد ان رموز و اسرار سے بہت زیادہ ہے جن کا انکشاف ہو چکا ہے، یقیناً یہ سب چیزیں خدا کا فعل، خدا کی مشیت اور اس کے طاقتور ارادے کی جلوہ گاہ ہیں، ان میں سے کوئی مستقل اور صاحب اختیار نہیں ہے۔

اگر ستاروں کو بھی اپنی گردش گاہوں میں اصول جذب وکشش اور اپنے مرکز سے فرار کی ہمہ گیر طاقت نے محدود بنا کر منظم، مرتب، دائمی گردش پر مجبور کر رکھا ہے تو ہرگز یہ دونوں طاقتیں ارادہ اور اختیار نہیں رکھتی ہیں۔ وہ اپنے نتائج اور اثرات تک سے بے خبر ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ پورا بے جان نیچر ایک کمسن بچہ کے برابر بھی عقل و شعور، ارادہ و اختیار نہیں رکھتا ہے۔ اس کے باوجود یہ عمومی اصول و قوانین ایک

کے تمام چھوٹے اور بڑے موجودات پر ہے، مثلاً دل کی دھڑکن کے درجات معین ہیں۔ دماغ مخصوص طریقہ پر کام کرتا ہے، نظام شمسی کے تمام کرے سورج کے گرد منظم طور سے گھومتے ہیں، اس طرح کہ ان کے ایک دوسرے سے فاصلے معین ہیں۔ الکٹران معینہ مدار کے اندر منظم طور پر پروانوں کی طرح اپنے مرکزی نقطے کے گرد گردش کرتے ہیں۔

پھر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ آیا واقعی یہ قوانین جنھوں نے تمام موجودات عالم کو اپنے دائرے میں لے لیا ہے خود بخود منظم ہو گئے ہیں، بلا کسی صاحب شعور طاقت کے انھوں نے یہ صورت اختیار کر لی ہے یا یہ کہ کسی غیر محدود، طاقتور عقل و شعور نے انھیں ایسا منظم اور مرتب بنا دیا ہے؟ واضح بات ہے کہ انسانی عقل و ضمیر دونوں بالاتفاق دوسری صورت کو مانتے ہیں۔ وہ ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ ان کے مادی قوانین کے متعلق یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ خود بخود وجود میں آ گئے ہیں کیونکہ ہر چیز کا مرتب، منظم اور کسی مقصد و غرض کے ماتحت ہونا بتاتا ہے کہ اسے کسی صاحب عقل و شعور طاقت نے اپنے ارادے اور اختیار سے موجود بنایا ہے۔

صرف پہیے اور ڈھبلیاں یا موجد اور انجینیر بھی؟ اگر مادیین کا یہ اعتراض صحیح ہو تو تمام موجدوں، انشا پردازوں، دنیا کے تمام صاحبان ہنر کا انکار کرنا پڑے گا! دریافت کیجئے اور ضرور دریافت کیجئے کہ کیوں اور کس لئے؟ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کارخانہ میں بہت سی مشینیں رکھی ہیں جن کی تشکیل بہت سے پرزوں نے کی ہے۔ ڈھبلیاں بہت سے مقامات پر پہیوں سے کسی ہوئی ہیں، چھوٹے بڑے گول گول چکر جا بجا لگے ہوئے ہیں۔ یہ سب پرزے مخصوص، منظم طریقے سے گردش کر رہے ہیں، سب کا کام آپس میں ایک کر کے ایک خاص فریضہ کا انجام دینا ہے۔

مادہ پرستوں کے خیال کے مطابق ہمیں یوں کہنا چاہیئے کہ یہاں وہ سائنسی اور فنی اصول حکومت کر رہے ہیں جنھوں نے ان مشینوں کے پرزوں کو خاص نظم و ضبط کے ساتھ مخصوص